جدیدیت [ماڈرن ازم] کی اصطلاح کا غلط مفہوم

حضرت جسٹس تقی عثمانی مغربی فلسفیانہ اصطلاح سے واقف نہیں

سوال: آپ اسلام اور جدت پسندی کے عنوان سے تصنیف رکھتے ہیں، دیکھنے میں آرہا ہے کہ فی زمانہ جدت پسندی کے دعویدار کسی طور اسلام کا سابقہ یا لاحقہ اپنے آپ سے نتھی کرنے سے گریزاں ہیں تو ایسے میں اسلامی بینکاری کیونکر ترقی کر پائے گی؟

خدشات کے برعکس میرا تو خیال ہے کہ مستقبل قریب میں اسلام جدت پسندی کا لازمہ بنے گا۔ بالخصوص معاشی جدت پسندی کے حوالے سے۔ دیکھیے جدت کیا ہوتی ہے، کوئی بھی نئی چیز جس کی طرف عوام راغب ہوجائیں، فیشن کی مثال لے لیجیے۔ بھئی جدت پسندی کی سب سے بڑی علامت فیشن ہی تو ہوتی ہے تو کیا ہوتا ہے اس میں کسی نئے انداز یا چیز کی مانگ بڑھ جاتی ہے اور مانگ پورا کرنے کے لیے کاروباری اس طرف بھاگتے ہیں۔ بس ایسا ہی کچھ معاملہ معاشی جدت پسندی کا ہے۔ مارکیٹ تیزی سے بڑھ رہی ہے لہٰذا اسلامی ممالک تو ہیں ہی غیر مسلم ممالک اور ان کے ادارے بھی اسلامی بینکنگ کی طرف آرہے ہیں۔ معاشیات کا سیدھا سا اصول کہ رسد ہمیشہ طلب کا رخ کرتی ہے۔ ایک بات اور جدت پسندی کا مطلب ہے کچھ نیا، اب روایتی بینکنگ تو چارصدی پرانی ہے جب کہ اسلامی بینکنگ کو صرف تین دہائی ہوئے ہیں تو نیا کون ہوا۔ جدید کا مطلب نیا تو ہوتا ہے چنانچہ معاشی میدان میں جدت پسندی کا تقاضا ہے کہ لوگ اسلامی بینکاری کی طرف آئیں اور وہ آرہے ہیں۔ دو سال پہلے شرح ترقی ۱۵ فیصد تھی اب کوئی ۲۰ فیصد ہوچکی یعنی دو سال میں ۵ فیصد کا اضافہ۔ اب تو بڑے Giant بینکوں میں بھی اسلامی بینکاری میں حصہ لینے کی دوڑ لگ چکی ہے۔

جسٹس تقی عثمانی صاحب نے روزنامہ امت کو انٹرویو دیتے ہوئے جدیدیت کی جو تعریف بیان کی ہے مغربی فلسفے کی تین سو سالہ تاریخ میں کانٹ سے لے کر ہبیر ماس تک کسی فلسفی نے یہ تعریف بیان نہیں کی جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت والا مغربی فکر و فلسفے سے قطعاً واقفیت نہیں رکھتے۔ ماڈرن ازم Modrenism جدیدیت ایک خالص مغربی اصطلاح ہے جس کا خاص مفہوم ہے۔ یہ عام لفظ نہیں جس کا سادہ اردو میں ترجمہ کیا

جا سکے۔ اصطلاح اپنی تاریخ، مابعد الطبیعیات اور ثقافت سے نکلتی ہے۔ اس کا خاص سانچہ اور ڈھانچہ ہوتا ہے جس طرح عدت کا ترجمہ ممکن نہیں اسی طرح ماڈرن ازم کا ترجمہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ماڈرن مین وہ آدمی نہیں جو فیشن کے مطابق چلتا ہے، جو رنگ برنگے کپڑے، جینز، کڑے، زنجیریں پہنتا ہے، کوک پیتا اور فراٹے سے کار چلاتا ہے۔ ماڈرن آدمی مغربی فکر و فلسفے کی اصطلاح میں وہ آدمی ہے جو علم کا ماخذ صرف اور صرف اپنے عقل وجدان، حواس اور حسی تجربات کو سمجھتا ہے، جو کسی مقتدرہ سے اور کسی خارجی ذریعے سے علم کے حصول پر یقین نہیں رکھتا۔ ماڈرن مین وہ شخص ہے جو سب کچھ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو، فلسفے کے الفاظ میں To be able to do what he wants to do. مذہبی تہذیبوں میں اس طرح کا انسان پیدا ہونا ممکن نہیں ہے۔ کسی بھی مذہب پر یقین رکھنے والا خواہشاتِ نفس کو اپنا آلہ نہیں بنا سکتا۔ مغربی تہذیب و فلسفہ خواہشات نفس کے آلہ کی پرستش کا نام جسے قرآن نے مشک قرار دیا ہے مغربی تہذیب خواہش نفس کی خدائی کی دعویدار ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر وہ شخص جو اپنی ذات، عقل، وجدان، جبلتوں، حواس اور تجربات کے بجائے کسی الہامی کتاب، الہامی شخصیت سے علم اخذ کرتا ہے۔ مغربی فکر و فلسفے اور تہذیب میں وہ شخص ماڈرن مین نہیں جاہل ہے، وحشی ہے، گنوار ہے، وہ انسان کہلانے کا مستحق نہیں اس لیے فوکالٹ لکھتا ہے کہ انسان تو ۱۷۸۶ء یعنی اٹھارہویں صدی میں پیدا ہوا ہے، اس سے پہلے زمین پر بسنے والے انسان نہیں تھے، دوسرے معنی میں انبیاء بھی انسان کہلانے کے مستحق نہیں۔ کوئی مذہبی تہذیب اس طرح کے انسان کو برداشت نہیں کر سکتی جو آزادی کا طلب گار ہے اور خواہشات نفس کو الہ بنانا چاہتا ہے اور اسلام بھی لے آیا ہے وہ مرتد ہے اور اسلامی تہذیب ایسے شخص کو زندہ رہنے کا حق نہیں دیتی۔ سترہویں صدی سے پہلے کے اربوں انسانوں کو انسان ماننے سے انکار کرنے کا سبب یہ ہے کہ سترہویں صدی سے پہلے تاریخ میں کوئی ایسی تہذیب نہیں گزری جو آخرت، زندگی بعد الموت، ملائکہ یا روحانیت کا سراسر انکار کرتی ہو، اور صرف اور صرف خواہش نفس کی پرستش، شکم اور شہوت کی پوجا اور سرمایہ کمانے کو انسان کا پہلا اور آخری مقصد زندگی سمجھتی ہو، سترہویں صدی سے پہلے ہر تہذیب مافوق الفطرت ہستی پر یقین رکھتی تھی اور اس کائنات کے پس پشت ایک اور کائنات کی قائل تھی۔ ہر تہذیب وراء الوراء کی قائل تھی۔ سترہویں صدی کے بعد کا مغربی انسان اس تصور کا قائل نہیں رہا لہٰذا یہ ماڈرن انسان ہے، اسی طرز زندگی فلسفہ حیات کا نام ماڈرن ازم ہے لیکن تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ ہر چلتے فیشن کو اپنا لینا جدیدیت ہے، جدیدیت کی یہ تعریف بھی لغو اور ناقابل قبول تعریف ہے ؎ چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی یہ بات سرسید اور حالی تو کہہ سکتے ہیں کم از کم تقی عثمانی صاحب کو یہ بات زیب نہیں دیتی۔ حضرت تقی عثمانی صاحب کی فرمائش پر محمد حسن عسکریؒ نے مغربی تہذیب کی گمراہیوں کا خاکہ نامی کتاب جدیدیت کے نام سے لکھی تھی۔ اس کتاب میں جدیدیت [ماڈرن ازم] کو گمراہی قرار دیا گیا ہے۔ یہ کتاب دارالعلوم کورنگی کے نصاب میں شامل رہی۔ حیرت ہے کہ جدیدیت کے خلاف کتاب لکھوانے کے بعد حضرت تقی عثمانی صاحب اب خود جدیدیت کی تعریف بھی فرما رہے ہیں۔

عالم اسلام کا المیہ یہ ہے کہ ہمارے علماء کرام علوم اسلامی سے بخوبی واقف ہیں لیکن کافرانہ علوم سے

قطعاً ناواقف ہیں۔ وہ قدیم یونانی فلسفہ اور قدیم سائنس تو جانتے ہیں لیکن اس کی نئی شکل جدید فلسفہ اور جدید سائنس سے ناواقف ہیں۔ لہٰذا وہ جدید مباحث جدید مسائل، جدید علوم کلام، جدید منطق، جدید معاملات سے بھی لاتعلق ہیں۔ یہ علماء رواداری، مساوات، آزادی اظہار رائے، جیسی کافرانہ اصطلاحوں کی اصل حقیقت، ماہئیت، حیثیت سے ناواقف ہیں۔ ہر اصطلاح اپنی علمیات وجودیات کونیات اور مابعد الطبیعیات سے نکلتی ہے۔ جب تک علماء مغرب کی مابعد الطبیعیات سے واقف نہ ہوں گے وہ مغرب کی اصطلاحات کو سمجھنے سے قاصر رہیں گے اور مغرب کی اسلام کاری کرتے رہیں گے۔ حضرت والا کے اخلاص، رسوخ فی العلم، قرآن وسنت پر گہری نظر میں کوئی کلام نہیں لیکن وہ مغرب پر گہری نظر نہیں رکھتے۔ یہ صورت حال اس بات کا شدت سے تقاضہ کرتی ہے کہ مدارس عربیہ کے نصاب میں یونانی فلسفہ و سائنس کے ساتھ ساتھ فوری طور پر جدید فلسفہ اور جدید سائنس کو شامل کیا جائے۔ فلسفے سے واقف شخص عموماً سائنس کے تمام مباحث سے بھی بخوبی واقف ہوتا ہے، لہٰذا وہ سائنس کی فلسفیانہ بنیادوں پر گہری نظر رکھ سکتا ہے۔ امام غزالیؒ نے یونانی فلسفے کا محاکمہ تہافتہ الفلاسفہ میں کیا اور یونانی تہذیب فلسفے اور سائنس کے تمام گمراہ کن مباحث پر ایسا نقد فرمایا کہ آج تک کوئی جواب نہ دے سکا اور عالم اسلام میں یونانی فلسفہ کبھی سر نہ اٹھا سکا۔

امام غزالیؒ نے اپنے فکری بحران کے حالات المنقذ میں تحریر کیے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ میرے علماء اساتذہ میں سے کسی ایک نے بھی مجھے یونانی فلسفے کی طرف متوجہ نہیں کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم تھا کہ امام غزالی کو القاء کیا گیا کہ وہ اس جانب توجہ دیں تاکہ عالم اسلام کو فلسفہ کے کفر سے بچایا جائے۔ کم وبیش یہی صورت حال اس وقت عالم اسلام کو درپیش ہے کہ کسی مدرسے میں فلسفہ کی تعلیم نہیں دی جارہی جس کے باعث علماء سائنسی علوم سے بھی ناواقف ہوگئے ہیں۔ لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ کفر کی حقیقت، ماہئیت، اصلیت کو سمجھنے کے لیے مغربی فکر و فلسفے پر خصوصی توجہ دی اور اس کے کافرانہ غمزوں سے آگہی کو دین وایمان کا تقاضہ سمجھا جائے۔ یہ فرض صرف علماء کرام کا نہیں پوری امت پر عائد ہوتا ہے۔ اگر اس طرف توجہ نہ دی گئی تو خدشہ ہے کہ امت مسلمہ مغربی فلسفہ اور سائنس کے سامنے زیادہ دیر تک کھڑی نہ رہ سکے گی اور مغربی افکار کا دریا موجیں مارتا ہوا ہمارے دینی مدارس اور مساجد میں داخل ہوجائے گا، پھر سنبھلنے کا وقت نہ ہوگا، اس وقت عالم اسلام میں صرف پاکستان و ہندوستان کے مدارس اسلامی علوم اور ماخذات دین کے محافظ ہیں۔ عالم عرب ازہر کے ذریعے پہلے ہی مغرب کے سامنے سجدہ کرچکا ہے اب آخری امید پاک و ہند کے مدارس سے ہے۔ اگر امید کے یہ مرکز اس صورت حال سے لاتعلق رہے تو عالم اسلام کا تعلق اسلام سے صرف اسی قدر رہ جائے گا جس طرح بوسنیا کے مسلمانوں کا اسلام سے تعلق تھا کہ صرف ان کے نام مسلم تھے اس کے باوجود انھیں معاف نہ کیا گیا۔ کافرانہ طرز زندگی کے باوجود ان کا مسلم نام ان کے قتال کی بنیاد بن گیا۔